اشاعت نمبر:26

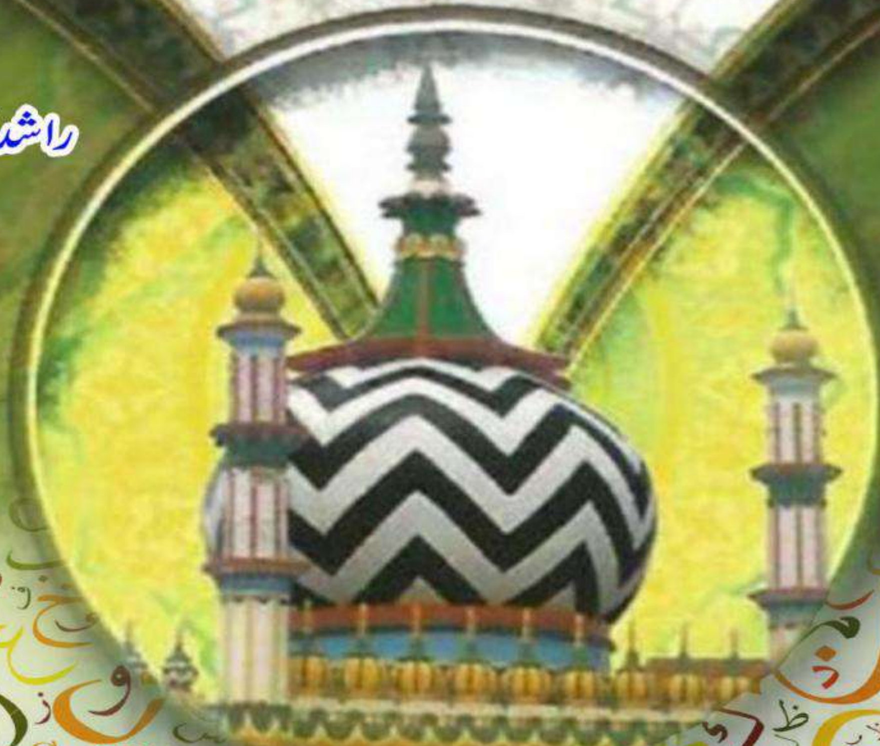
امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ

کی عربی زبان میں مہارت

(حصّہ اوّل)

مولانا انیس احمد مصباحی (انڈیا)

طالبِ دُعا:
راشد انصاری قادری رضوی



فیضانِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ کراچی پاکستان

عربی زبان و ادب میں امام احمد رضا کی مہارت

مولانا انیس احمد مصباحی *

عربی زبان وادب میں امام احمد رضا کی مہارت پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ کچھ ادب اور اس کی اقسام و اصناف کا بھی جائزہ لیا جائے۔

ادب:

عربی ادب کی تاریخ کے مختلف مراحل میں ادب کی مختلف تعریفیں کی جاتی رہی ہیں، کبھی اس میں اتنی وسعت دی گئی کہ سارے علوم و فنون کو اس میں جمع کر دیا گیا، اور کبھی اس کا دامن اتنا تنگ کر دیا گیا کہ صرف نظم و نثر کی ایک مخصوص قسم کے اندر "ادب" سمٹ کر رہ گیا۔ چنانچہ تاریخ ادب کے ابتدائی مرحلوں میں ادب سے مراد وہ علوم لیے جاتے تھے۔ جن کے ذریعہ تہذیب نفس کا کام لیا جائے جس کے نتیجے میں آدمی کے اندر اچھے اخلاق، بلند کردار، بے داغ سیرت اور معاملات میں صفائی اور ستھرائی پیدا ہوتی ہے۔ مگر جب عربی معاشرہ میں وسعت اور عربی فکر و نظر میں جلا اور گہرائی پیدا ہونے لگی تو ادب کے مذکورہ دائرہ میں "تعلیم" کو بھی شامل کر لیا گیا، چنانچہ "مؤدب" یا "معلم" اس شخص کو کہا جانے لگا جو تعلیم کو بطور پیشہ اختیار کر کے اس سے اپنی روزی کماتا ہو اور ادب میں وہ سارے علوم شامل کیے جانے لگے جو یہ "مؤدب" یا "معلم" اپنے شاگردوں کو سکھاتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا:

یا رسول الله! نحن بنو أب واحد، و نراك تكلم وفود العرب بما لا نفهم اكثره.

(یعنی اے اللہ کے رسول! ہم سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ عربوں کے وفود سے ایسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں جس کا بیشتر حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا)

تو سرکار نے فرمایا:

ادبني ربي فاحسن تأديبي، ورُبّيتُ في بني سعد

(مجھے میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے، پھر میں نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی ہے۔)

بنو سعد حلیمہ سعدیہ کے خاندان کا نام ہے جو اس زمانے میں قبائل عرب کے درمیان فصاحت و بلاغت میں نمایاں اور ممتاز تھا۔ غور کیجئے یہاں سرکار نے "اَدَّبَنِی" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس کے معنی بہر حال ادب یا تہذیب سکھانے کے نہیں ہیں کیونکہ خود قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنی آپ بڑے بلند اخلاق کے مالک ہیں بلکہ یہاں ادبنی کا معنی ہے اللہ نے مجھے تعلیم دی، سکھایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صدر اسلام میں "تادیب"، تعلیم کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور "مُؤدّب" معلم کے معنی بولا جاتا تھا اور عہد اُموی میں بھی ممتاز اساتذہ کی جماعت کو مؤدّبین کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اس زمانے کے دستور کے مطابق نظم و نثر اور اخبار و وقائع کی تعلیم روایت کے طریقے سے دیتے تھے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے "اللغة والادب" از محمد حسین ہیکل۔ "فی الادب الجاهلی" از ڈاکٹر طہٰ حسین "أسس النقد الادبی عند العرب" از ڈاکٹر احمد بدوی)

ادب کا یہ مفہوم صدر اسلام اور پہلی صدی ہجری تک قائم رہا بعد میں جب اسلامی معاشرہ میں اور وسعت پیدا ہوئی اور علم و فن میں ترقی کے ساتھ انہیں شاخوں میں تقسیم کیا گیا اور باضابطہ ان کی اصطلاحات مقرر ہوئیں تو نحو و صرف، بلاغت، معانی، بیان، بدیع، لغات وغیرہ بھی اس کی وسعت کے دائرہ میں داخل ہو گئے اور ادب "مجموعہ فنون" ہو گیا۔ اس زمانے کے مائیہ ناز ادیب اور ممتاز دانشور جاحظ نے اعلان

☆ استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ انڈیا۔

کردیا۔ الادب ھو الأخذ من کل فن بطرف (تمام مروجہ فنون میں سے تھوڑے کو بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کو ادب کہتے ہیں)

جاحظ نے ادیب کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جملہ فنون کے اصول اور مبادیات اسے ضرور آنے چاہئیں تاکہ وہ حسب ضرورت ان سے مدد لے سکے۔

اور اب کسی زبان کے شعراء و مصنفین کا وہ نادر کلام جس میں نازک خیالات و جذبات کی عکاسی اور باریک معانی و مطالب کی ترجمانی کی گئی ہو اس زبان کا ادب کہلاتا ہے۔

اسی ادب کی بدولت نفس انسانی میں شائستگی، اس کے افکار و خیالات میں جلا، اس کے احساسات میں نزاکت وحسن اور زبان میں سلاست وزور پیدا ہوتا ہے۔ ادب کا اطلاق ان تصانیف پر بھی ہوتا ہے جو کسی علمی یا ادبی شعبے میں تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ اس لحاظ سے گویا لفظ ادب ان تمام تصانیف کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے جو محقق علما کے انکشافات، مضمون نگاروں کے افکار، شاعروں کے انوکھے تخلیات اور نازک تصورات پر مشتمل ہوں (تفصیل کے لیے دیکھیں ''تاریخ الادب العربی'' از احمد حسن زیات)''

عربی زبان کا ادب دنیا کی دوسری تمام زبانوں کے ادب کے مقابلہ میں زیادہ مالا مال ہے اس لئے کے ایک قول کے مطابق اس کا آغاز انسان کی پیدائش ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس کی انتہا عربی تمدنی کے مٹ جانے پر ہوگی۔ خاندان مُضَر کی یہ زبان اسلام پھیلنے کے بعد صرف ایک قوم کی ہی زبان نہ رہی بلکہ ان تمام اقوام عالم کی بھی زبان بن گئی، جو وقتاً فوقتاً اسلام کی دعوت قبول کرتی رہیں، یہ دعوت قبول کرنے والے بھی اپنی زبانوں کے اسرار وغوامض، انوکھے تصورات و خیالات اور اچھوتے مطالب و معانی کا اس زبان میں اضافہ کرتے رہے اور آگے چل کر یہ زبان حامل دین وادب، داعی علم وتمدن بن کر زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور اس نے ہر اس زبان کو جو اس سے نبرد آزما ہوئی زیر کرلیا۔ اس طرح اس زبان نے یونانیوں، ایرانیوں یہودیوں، عیسائیوں، ہندیوں اور حبشیوں کے قدیم علوم و آداب اپنے اندر جذب کرلیے اور زمانے کی سخت گردشوں کے باوجود ان درمیانی صدیوں میں یہ بخیر وخوبی محفوظ رہی۔ اس نے اپنے گردو پیش کی کئی زبانوں کو تباہ و برباد ہوتے دیکھا مگر یہ بہادری کے ساتھ، پر وقار طریقے پر سر اونچا کیے تمام مذہبی فلسفوں اور ادبی افکار وخیالات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے سلامتی کے ساتھ نکل آئی۔

پھر کلام کی دو قسمیں ہیں (۱) نثر (۲) نظم

نثر:

وہ کلام کہلاتا ہے جو وزن وقافیہ کی قید سے آزاد ہو۔

یہ کسی بھی زبان میں تبادلۂ خیالات کرنے کے لے کلام کی سب سے پہلی وجود پذیر ہونے والی قسم ہے، اس لیے کہ یہ آسان اور بے قید ہونے کے ساتھ ساتھ سب کی ضرورت کی چیز ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں (۱) مُسَجَّع (۲) مُرسَل

نثر مُسَجَّع: وہ نثر ہے جس کے فقروں کے آخری کلمات موزوں اور مقفی ہوں۔

نثر مُرسَل: وہ ہے جس میں سادگی ہو، تک بندی اور قافیہ بندی نہ ہو۔

طبعی قوت، موروثی ذہانت اور عجمیوں سے بہت کم اختلاط کے باعث عربوں کی نثر نہایت شستہ، پاکیزہ، آسان اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی، البتہ صرف طبعی وجوہ اسباب کی بناء پر تلفظ اور حروف کی مخارج سے ادائیگی میں اختلاف ہوتا تھا۔

نظم: اس کلام کو کہتے ہیں جس کا کوئی خاص وزن اور قافیہ ہو۔

شعر: ماہرین عروض نے شعر کی تعریف یوں کی ہے کہ شعر موزوں و مقفی کلام کو کہتے ہیں۔

مگر یہ تعریف ناقص ہے کیوں کہ اس طرح ہر قسم کا کلام جس میں وزن اور قافیہ ہو شعر ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ ناقدین کہتے ہیں کہ اگر جغرافیہ کے مسائل کو وزن وقافیہ کے قالب میں ڈھال دیا جائے تو بھی ہم اسے شعر نہیں کہیں گے۔ وہ منظوم فن یا موضوع تو

ہوسکتا ہے مگر اسے شعر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خیال یا حقیقت کو صرف نظم کر دینا شعر ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ اور خصوصیات کا ہونا بھی ضروری ہے، وہ خصوصیات کیا ہیں؟ ''اچھوتے خیالات وافکا، لطیف جذبات واحساسات'' کی ایک خاص طریقے سے تعبیر۔ چناچہ ناقدین شعر کی یہ تعریف کرتے ہیں۔

''شعر وفصیح و بلیغ کلام ہے جس میں وزن کے علاوہ نادر اور اچھوتے خیالات اور لطیف جذبات واحساسات کی عکاسی اس طرح کی گئی ہو کہ انسان کے دل ودماغ پر براہ راست اس کا اثر پڑے''۔

ان ناقدین کے نزدیک شعر کے اجزائے ترکیبی میں ندرتِ خیال، لطافتِ جذبات واحساسات اور وزن کے ساتھ اثر اندازی کو اوّلیت حاصل ہے۔ لیکن انسانی جذبات واحساسات میں اس وقت تک ہیجان یا بیداری پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ شاعر اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر خوب صورت اور چیدہ الفاظ اور وزن وقافیہ کے تانے بانے سے معانی میں ہم آہنگی پیدا کر کے سامع یا قاری کے دل کے تاروں کو جھنجھنا نہ دے۔

(شعر کی تعریف اور اس کی ماہیت سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھئے:

(۱) ''العمدة'' از ابن رشیق قیروانی۔

(۲) ''نقد الشعر'' از قدامہ بن جعفر۔

(۳) ''الشعر و الشعراء'' از ابن قتیبہ۔

(۴) ''عیار الشعر'' از ابن طباطبا

(۵) ''اسس النقد الادبی عندالعرب'' از ڈاکٹر احمد بدوی)

عربی زبان وادب اور اس کے متعلقات کے بارے میں بنیادی گفتگو کے بعد اب ہم برصغیر میں چودھویں صدی کے سب سے باکمال اور بے مثال شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں جس نے اپنے نثری شہ پاروں اور شعری فن پاروں کا ایک تسلسل قائم فرما کر عربی زبان وادب میں بھی اپنے تفوق وکمال اور لیاقت ومہارت کا لوہا منوالیا ہے اور برصغیر ہندو پاک کے ماہرین لسانیات کے علاوہ عرب ارباب علم ودانش اور رجال فکر وفن نے بھی ایک روشن حقیقت کے طور پر اس کا اعتراف کیا ہے جس کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ ہندوستان کے مشہور شہر بریلی (یوپی) میں ۱۰ شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ایک خوش حال متمول، علمی وروحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام محمد، تاریخی نام ''المختار'' اور جد کریم مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا رکھا ہوا نام ''احمد رضا'' اور اسی نام سے مشہور بھی ہوئے۔ اللہ تعالی نے آپ کو وہ ذہانت وفطانت عطا فرمائی تھی کہ چار سال کی عمر ہی میں ناظرہ قرآن مجید ختم کر لیا، چھ سال کی عمر میں عید میلاد النبی کے موقع پر بھرے مجمع میں پر مغز اور جامع تقریر فرمائی۔ آٹھ سال کی عمر میں درس نظامی کی مشہور کتاب 'ھدایتہ النحو' کی عربی زبان میں شرح لکھی اور دس سال کی عمر میں ''مسلم الثبوت'' پر عربی میں حاشیہ لکھا

قارئین کرام غور فرمائیں کہ آٹھ اور دسال کی عمر میں جب کہ آپ ابھی سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے عربی زبان میں یہ کتابیں لکھنا اس بات کا اشارہ کررہا ہے کہ اس صغرسنی کے عالم میں ہی آپ علمی وفنی اور لسانی حیثیت سے بالغ نظر ہوچکے تھے اور عربی زبان وادب سے آپ کو ذہنی مناسبت ہوچکی تھی۔ اور علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت کے بعد دیگر علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں وہ علمی کارنامے انجام دیے اور وہ فنی شہ پارے یادگار چھوڑے جنہیں دیکھ کر ارباب علم ودانش کی عقلیں حیران ہیں اور اپنوں کے ساتھ پرائے بھی انہیں خراج عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

اردو، ہندی، ملیالم، عربی اور انگریزی جیسی زبانوں پر بھرپور دسترس رکھنے والے اہل حدیث فاضل ڈاکٹر محی الدین الوائی استاد جامعہ ازہر، مصر، اپنے ایک عربی مقالہ میں لکھتے ہیں:

''قد بما قیل اِنّ االتحقیق العلمی الاٴصیل و الخیال

الذهني الخصيب لا يجتمعا ن في شخص واحد ،ولكن مولا نا أحمد رضا كان قد برهن على عكس هزه النظرية التقليدية، فكان شاعر أذاحيال خصيب وتشهد له بذلك دواوينه الشعرتة باللغات الفارسيته والا رديته والعربية ''(امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ قاری، دہلی، شمارہ ۱۲، جلد ۵، ص: ۴۷۶)

(یعنی پرانا مشہور مقولہ ہے کہ علمی تحقیق اور نازک خیالی دونوں بیک وقت شخصِ واحد میں یک جا نہیں ہوتیں، لیکن مولانا احمد رضا اس روایتی نظریہ کے خلاف دلیل ہیں، آپ ایک محقق عالم ہونے کے ساتھ ایک بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے، جس پر آپ کے فارسی، اردو اور عربی شعری دیوان گواہ ہیں)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے عربی نثر اور نظم دونوں میں اپنے تفوق وکمال اور صلاحیت ومہارت کے جلوے دکھائے۔ اور آپ نے عربی زبان وادب کی دونوں صنفوں میں عظمت وجلالت کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک درخشندہ وتابندہ رہیں گے۔

عربی زبان میں آپ کی علمی وادبی خدمات درج ذیل خانوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔

(الف) منثور کتابیں اور رسائل۔ (ب) قصائد اور اشعار (ج) خطبات ومقدمات (د) اسانید واجازات۔ (ہ) کتابوں کے نام (و) تواریخِ ولادت ووفات۔

اب ہم ذیل میں ان پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

(الف) منثور کتب ورسائل:

ڈاکٹر احمد ادریس مصری نے اپنے مقالہ ''الادب العربی فی شبه القارة الهندية'' میں لکھا:

''نواب صدیق حسن خاں قنوجی (متوفی ۱۳۰۷ھ) کی عربی زبان میں چھپن کتابیں ہیں، ملا نا عبدالحی بن عبدالحلیم فرنگی محلی۔ (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی چھیاسی، اشرفعلی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کی تیرہ اور مولانا احمد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) کی تین سو تصنیفات ہیں''۔(حولية الجامعة الاسلامية العالمية،العدد الرابع ،عام ۱۹۹۶ م، ص: ۱۵۹)

ذیل میں ان میں سے بعض عربی تصانیف کی فہرست پیش خدمت ہے:۔

۱. الدولة المكية بالمادة الغيبية . ۲. كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم . ۳. جدّ الممتار على ردالمحتار (۵ / جلدين). ۴. المعتمد المستند بناء نجاة الأبد. ۵. حسام الحرمين على منحر الكفر والمين. ۶. اجلى الاعلام بان الفتوىٰ مطلقاً على قول الامام . ۷. شمائل العنبر في أدب النداء أمام المنبر. ۸. الكشف شافيا حكم فونو جرافيا. ۹. الزلال الانقى من بحر سبقة الأسقى. ۱۰. مدارج طبقات الحديث . ۱۱. ضيقل الرين عن أحكام مجاورة الحرمين . ۱۲. التاج المكلل في إنارة مدلول كان يفعل . ۱۳. فتاوى الحرمين برجف ندوة المين . ۱۴. أطائب الصيب على أرض الطيب .

(تفصیل کے لیے دیکھیے المصنفات الرضویۃ از مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

(ب) خطبات ومقدمات:

امام احمد رضا نے عربی زبان میں شاندار وقیع اور بیش قیمت خطبے لکھے جن میں قدرِ مشترک کے طور پر زورِ بیان، متانتِ اسلوب، قوتِ تاثیر، حلاوتِ الفاظ، آیاتِ قرآنی واحادیث نبویہ کے اقتباسات و حوالہ جات، مطلب سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے قرآن کے طرزِ بیان کی پیروی وغیرہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ اوصاف خاص طور سے آپ کے ان خطبوں میں پائے جاتے ہیں جو جمعہ وعیدین کے مواقع پر مسجدوں اور عیدگاہوں کے منبروں پر دیے

جاتے ہیں، جنہیں عربی زبان میں ''خطب المنابر'' کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی تصانیف کے آغاز میں رواں اور بے تکلف عربی زبان میں گراں قدر خطبے لکھے ہیں جنہیں عربی میں ''خطب الدفاتر'' کہا جاتا ہے۔

اس طرح آپ کے خطبے دو طرح کے ہوئے:

(۱) خطب المنابر یعنی جمعہ وعیدین کے خطبے

(۲) خطبُ الدفاتر یعنی کتابوں کے خطبے۔

اب ذیل میں ہم ان کے منتخب نمونے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ براہ راست انہیں دیکھیں۔ جانچیں اور پرکھیں اور امام احمد رضا کی عربی زبان وادب میں مہارت کو سلام عقیدت پیش کریں۔

☆قسم اول کا نمونہ:

عید الفطر کے ایک خطبے کا نمونہ آپ کے سامنے پیش ہے:

الحمد لله حمد الشاكرين، الحمد لله كما نقول وخيراً مما نقول، الحمد لله قبل كل شيء الحمدلله بعد كل شئي، الحمد لله مع كل شيء، الحمد لله كما ينبغي لجلال وجهه الكريم، الحمد لله كما حمده الأنبياء والمرسلون، والملائكة المقربون، وعباد الله الصالحون، الله اكبر، الله اكبر، لا اله الا الله و الله اكبر الله اكبر ولله الحمد.......فيا أيها المومنون رحمنا ورحكم الله، اعلموا أن يومكم هذا يومٌ عظيم ألا وللصائم فرحتان، فرحته عندالافطار وفرحة عند لقاء الرحمن، ألا وان فى الجنة باباً يقال له الريان، لا يدخله الا الصائمون لوجه الملك الديّان.

☆قسم دوم کا نمونہ:

اب ہم ذیل میں بطور نمونہ فتاویٰ رضویہ جلد اول کا خطبہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو فصاحت وبلاغت کا پیکر محسوس ہے، دل کش اشارات، واضح تلمیحات، خوش نما تشبیہات، خوب صورت استعارات پر مشتمل اس خطبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے جملہ لوازم ومناسبات (یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود وسلام، حضور اکرم ﷺ کی نعت اور صحابہ کرام کی تعریف ومنقبت) کو کتب فقہ اور ائمہ فقہ کے ناموں سے ادا کیا گیا ہے۔ کتبِ فقہ کے ناموں ائمہ کرام کے اسمائے گرامی کو اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد الٰہی کی خوشبو مہکتی ہے، کہیں نعت رسول کے گلشن لہلہاتے ہیں، کہیں درود وسلام کی رعنائیاں دعوت نظارہ دیتی ہیں، تو کہیں مدح صحابہ واہل بیت کی جلوہ سامانیاں ہوتی ہیں۔ اس خطبے میں براعت استہلال، رعایت سجع ورد دیگر ضائع وبدائع اور محاسنِ بلاغت کا بے تکلف استعمال ہے، مگر کمال یہ ہے کہ ان سب کی رعایت کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں کہیں بھی ذرہ برابر فرق نہیں آتا، نہ جملوں کی معنویت، الفاظ کی بندش اور ترکیب کی برجستگی میں کوئی فرق محسوس ہوتا ہے، وہ خطبہ یہ ہے:

''الحمد لله هو الفقه الاكبر، والجامع الكبير لزيادات فيضه المبسوط الدرد الغرر، به الهداية، ومنه البداية، واليه النهاية، بحمده الوقاية ونقاية الدراية، وعين العناية، وحسن الكفاية، ولصلوةالسلام على الامام الاعظم للرسل الكرام، مالكي وشافعي أحمدالكرام، يقول الحسن بلاتوقف، محمد الحسن ابو يوسف، فانه الاصل المحيط، لكل فضل بسيط، ووجيز ووسيط، البحر الزخار، والدرالمختار، وخزائن الأسرار، وتنوير الأبصار، وردالمحتار، والبحر الرائق، ومنه يستمدّ كل نهر فائق، فيه المنية، وبه الغنية، ومراقى الفلاح، وامداد الفتاح، وايضاح الاصلاح، ونورالايضاح، وكشف المضمرات، وحلّ المشكلات، والدرّ المنتقىٰ، وينابيع المبتغى، وتنوير الابصار، وزواهر الجواهر، والبدائع النوادر، المنزه وجوباً عن الأشباه والنظائر، مغنى السائلين، ونصاب المساكين، الحاوىٔ القدسى لكل كمالِ قدس وإنسى، الكافى الوافى الشافى المصفى

المصطفی المستصفی المجتبی المنتقی الصافی ،عدة النوازل، وأنفع الوسائل ، لا سعاف السائل ، بعيون المسائل ، عمدة الاواخرو خلاصته الاوائل ،وعلی آله وصحبه، وأهله وحزبه ، مصابيح الدجی ، و مفاتيح الهدی ، لا سيما الشيخين الصاحبين ،الا خذين من الشريعة والحقيقة بكلا الطرفين،والختنين الكريمين ،كل منهما نور العين ، ومجمع البحرين ، وعلی مجتهدی ملته ، وأئمة امته ، خصوصا الأركان الا ربعة ، والا نوار اللامعة ،وا بنه الأكرم ، الغوث الأعظم ، ذخيرة الأولياء و تحفة الفقهاء و جامع الفصولين ، فصول الحقائق والشرع المهذب بكل ذين ، وعلينا معهم ، وبهم و لهم يا ارحم الراحمين ، آمين آمين ، والحمد لله رب العالمين ''(العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ، ج۱)

صنعت تلمیح اور اقتباس کے کامیاب استعمال کے لیے حضرت امام احمد رضا کے خطبے کے درج ذیل جملے ملاحظہ کیجیے اور ان کی لسانی مہارت ،زبان وبیان کی قدرت کے جلووں کا سرکی آنکھوں سے مشاہدہ کیجئے۔

''أما بعد فهذه .بحمدالله ،ورفد الله ،وعون الله ،وصون الله ،تبارک الله ،وبارک الله ، ما شاء الله ،لا قوةإلا بالله ،وحسبنا الله ونعم الوكيل ،نعم المولی ونعم النصير .جناتٌ عاليه ، قطوفها دانيه، فيها سرر مرفوعةٌ واكواب موضوعة ،ونمارق مصفوفه ،وزرابی مبثوثه ، من مسائل الدين الحنيفی ،والفقه الحنفی ،تجد فيها ان شاء الله عينا جارية من عيون تحقيقات السلف الكرام ،مع رفرف خضروعبقری حسان من تمهيدات الخلف الا علام ،و عرائس نفائس كانها الياقوت والمرجان، لم يطمثهن قبلی إنس ولا جان ''. الخ (حوالہ سابق)

امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنی اکثر وبیش تر تصنیفات کے خطبوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور درود شریف کے ساتھ ساتھ وہ مسئلہ بھی بیان فرمادیتے ہیں جسے بعد میں اصل کتاب کے اندر تفصیلی دلیل کے ساتھ بیان فرمادیتے ہیں ،مقدموں اور خطبوں میں محاسنِ بلاغت اور منائع بدائع کا بے تکلف اور برمحل استعمال کوئی ان سے سیکھے۔

کتابوں کے نام:

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی عربی زبان وادب میں کمال مہارت کا منہ بولتا ثبوت ان کی تصنیفات کے نام بھی ہیں ۔کیوں کہ آپ نے اکثر رسائل وتصنیفات کے عربی میں ایسے حسین نام تجویز فرمائے ہیں جو نہایت موزوں ،مناسب اور واقع کے عین مطابق ہوتے ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد ہر باذوق قاری پھڑک اٹھتا ہے۔اور حضرت امام کی ادبی ولسانی دسترس پر حیران وششدر رہ جاتا ہے۔اکثر ناموں میں مندرجہ ذیل خصوصیات قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہیں:

(۱) وہ نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے، بلکہ دونوں فقروں کے آخری کلمات ہم وزن ہوتے ہیں۔یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۲) ہر نام اسم بامسمّی ہوتا ہے یعنی نام ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس رسالہ کا موضوع کیا ہے۔

(۳) اس سے حروف ابجد کے حساب سے سال تصنیف بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

درج ذیل ناموں پر غور فرمائیں تو یہ حقائق آفتاب نیم روز کی طرح روشن وتاباں نظر آئیں گے:

☆ کنزالا يمان فی ترجمة القرآن (۱۳۳۰ھ)
☆ الدولة المكية بالمادة الغيبية (۱۳۲۳ھ)
☆ الا جازات المتينة لعلماء بكة والمدينة (۱۳۲۴ھ)
☆ الهاد الكاف فی حكم الضعاف (۱۳۱۳ھ)
☆ إعلام الإعلام بأن هندوستان دار الإسلام(۱۳۰۶ھ)
☆ إقامة القيامة علی طاعن القيام لنبی تهامة (۱۲۹۹ھ)
☆ جمل النور فی نهی النساء عن زيارة القبور

(۱۳۳۹ھ)

☆أعالی الإفادۃ فی تعزیۃ الھند و بیان الشھادۃ (۱۳۲۱ھ)

☆ بدر الانوار فی آداب الآثار(۱۳۲۶ھ)

☆ الکشف شافیا حکم فو نو جرافیا (۱۳۲۸ھ)

☆ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

☆ الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ(۱۳۳۷ھ)۔وغیرہ

تواریخ ولادت ووفات:

تاریخ گوئی میں بھی اعلیٰ حضرت کو حد درجہ کمال حاصل تھا، آپ فارسی زبان کی طرح عربی میں بھی تاریخیں کہا کرتے تھے جس سے فن تاریخ گوئی میں حیرت انگیز قدرت کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی کی مثالیں تو بے شمار ہیں لیکن ہم یہاں ان تو اریخ ولادت اور تواریخ وفات کو نذر قارئین کرتے ہیں جو آپ نے اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمۃ و الرضوان کی تصنیف ''جواھر البیان فی اسرار الارکان'' میں مصنف کی سوانح کے آخر میں درج فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(تواریخِ وِلادت) جاء ولی نقیٔ الثیاب علی الشان (۱۲۴۶ھ) رضی الاحوال بھی المکان (۱۲۴۶ھ)، و ھو أجل محققی الأفاضل (۱۲۴۶ھ) شھاب المدققین الأماثل (۱۲۴۶ھ) قمر فی برج الشرف (۱۲۴۶ھ) بری من الخسوف والکلف (۱۲۴۶ھ) افضل سباق العلماء (۱۲۴۶ھ) اقدم حذائق الکرماء.

(تواریخ وفات) کان نھایۃ جمع العظماء (۱۲۹۷ھ) خاتم اجلۃ الفقھاء (۱۲۹۷ھ) امین اللہ فی الارض ابدا (۱۲۹۷ھ) إن موتہ العالم موتۃ العالم (۱۲۹۷ھ) وفاۃ عالم الاسلام ثلمۃفی جمع الانام (۱۲۹۷ھ) خلل فی باب العبادۃ لا یَنسَدُّ الی یوم القیامۃ (۱۲۹۷ھ) یا غفور (۱۲۹۷ھ) کمَّلُ لہ ثوابک یوم النشور (۱۲۹۷ھ) امنحہ جنۃ أعدت للمتقین (۱۲۹۷ھ) صلی اللہ تعالیٰ علی سید نا محمد والہ وآلہ أجمعین (۱۲۹۷ھ)

(حیات اعلیٰ حضرت بترتیب جدید از مفتی مطیع الرحمٰن۔ ج۱ص ۳۱۷)

اسلوب بیان:

مافی الضمیر کی ادائگی اوراپنی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے ایک ادیب جوطریق ادااورطرزتعبیر اختیارکرتااورجس خاص روش کواپناتا ہے اسے ''اسلوب'' کہتے ہیں۔

اسلوب کی تین قسمیں ہیں (۱) علمی اسلوب یعنی عالمانہ طرز بیان۔(۲) ادبی اسلوب یعنی ادیبانہ طرز بیان۔(۳) خطابی اسلوب یعنی خطیبانہ طرز بیان۔

اسلوب علمی تمام اسالیب کے مقابل نہایت متین، سنجیدہ اور پر سکون ہوتا ہے، اس میں نہ ادبی شوخیوں کی چاشنی ہوتی ہے نہ خطابی جوش وخروش ہوتا ہے، اس اسلوب کوعلمی حقائق کی تشریح کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جوعموماً مشکل اور دقیق ہوتے ہیں جنہیں سمجھانے کے لیے وضاحت اوردلائل کی ضرورت ہوا کرتی ہے:

اسلوب ادبی کا مطمح نظرحسین سے حسین تعبیر، ہے اس کے مخصوص اوصاف یہ ہیں کہ معانی، الفاظ، تراکیب اور پیرایہ بیان، سب میں حسن وجمال ہو، اگر زندگی کا کوئی فلسفہ بھی بیان کرنا ہے، تو خوب صورت سے خوب صورت تعبیر اختیار کی جائے، اس اسلوب میں ہمیشہ اس کا لحاظ کہ مضامین کا پیرأیہ بیان اتنادل کش ہو کہ سننے والا ہر طرف سے ہٹ کر اس طرف متوجہ ہو جائے، اس کے لیے حسبِ موقع تشبیہ واستعارہ تمثیل وکنایہ ہرچیز کی ضررت ہے۔

اسلوب خطابی کا مطمح نظرعزائم کو طاقت وراور سرگرم عمل بنانا اور دلوں میں زندہ تحریک اور جوش عمل کی روح پھونکنا ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھیے مودمقدمۃ البلاغۃ الواضحہ)

جب ہم امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے نثری شہ پاروں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا اسلوب نہ خالص علمی اسلوب ہے، نہ محض ادبی یا خطابی، بلکہ یہ مختلف اسالیب کا حسین امتزاج ہے اسی لیے آپ کی عربی تحریروں میں نہ الفاظ ومعانی کا الجھاؤ ہوتا ہے، نہ طرز بیان میں کوئی جھول، اسی لیے قاری کے قلب وذہن تک مفہوم کی ترسیل بہت موأثر اور طاقت ور پیرایے میں ہوتی ہے۔

پوری بیدار مغزی اور توجہ کے ساتھ درج ذیل اقتباس پڑھیے، رسالہ ''الکشف شافیا حکم فو نو جرافیا'' میں شعر کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فما هو إلا أن الأوزان العروضية آلة لأداء كل قسم من الكلام موزونا، فلا يحكم عليها في انفسها بحسن و لا قبح، بل تتبع المؤدى بها، فان كان حسنا سائغا و ذكرا بالغا ففي الحديث الصحيح : إن من الشعر لحكمة"وإن كان هزلا فارغاو رذلا زائغا ففي القرآن المجيد :الشعراء يتبعهم الغاؤن،'وللاول بشرىٰ تحيي الفواد "إن الله يؤيد حسان بروح القدس"و على الآخرو عيديفت الاكباد :"امرء القيس صاحب لواء الشعر إلى النار"

(ص ۹۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

دبستانِ ادب:

امام احمد رضا قدس سرہ کی عربی منشور تحریروں کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ نہ آپ دبستانِ ابن العمید سے متاثر نظر آتے ہیں جس میں سارا زور الفاظ کو پُر شوکت اور حسین وجمیل بنانے پر ہوتا ہے اور معنوی حسن کی طرف توجہ یا تو بالکل نہیں ہوتی یا، ہوتی ہے تو بہت کم اور نہ آپ دبستان ابن المقفع کی پیروی کرتے ہیں جس کے امتیازی اوصاف جملوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑنا، الفاظ میں ہم آہنگی، سہل پسندی، معانی کا زیادہ اہتمام اور سجع بندی سے نفرت کی حد تک گریز اور دوری ہیں۔ بلکہ آپکا اسلوب بیان ان دنوں دبستان ادب کے درمیان ہے آپ کے یہاں معانی سے غفلت والا پرواہی بھی نہیں اور سجع بندی سے نفرت ودشمنی بھی بلکہ معنوی پہلو کو پورے طور پر سامنے رکھتے ہوئے بے تکلف سجع بندی بھی پائی جاتی ہے۔ اس طرح آپ کا طرز بیان دونوں دبستانوں کا آمیزہ معلوم ہوتا ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

امام احمد رضا کے یہاں سجع بندی کے نمونے بکثرت ملتے ہیں جب کہ یہ دورِ جدید، نثر مرسل کا دور ہے اور اب تو نثر مسجع کو عیب سمجھا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سجع کی دو صورتیں ہوتی ہیں: اول یہ کہ سجع کی رعایت اس حد تک کی جائے کہ مافی الضمیر کی ادائگی متاثر ہوجائے یا معنی ومفہوم سے یکسر نگاہیں پھیر لی جائیں۔ جیسے ایک امیر نے شہر قم کے قاضی کو خط لکھا اور اس میں صرف سجع بندی کا لحاظ کرتے ہوئے اس بے قصور قاضی کی برخاستگی کا فرمان جاری کر دیا، خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

ايها القاضى بقُم ،قد عز لناک فَقُمْ.

''اے شہر قم کے قاضی! میں نے تجھے برخاست کیا لہذا اٹھ جا''۔

جب قاضی تک یہ فرمان شاہی پہنچا تو اس نے برجستہ کہا:

والله ما عز لتنى الا هذه السجعة. (بخدا مجھے صرف اس سجع بندی اور تک بندی ہی نے برخاست کیا)

سجع کی قسم اول قبیح اور ناپسندیدہ ہوتی ہے جب کہ دوسری قسم نہ صرف یہ کہ عیب نہیں گرادنی جاتی، بلکہ اسے زبان وبیان پر قدرت اور مہارت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی سجع اِسی قسم سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ عیب نہیں ان کی قادر الکلامی اور لسانی مہارت کی دلیل ہے۔ اسی بنیاد پر عربی زبان کے ماہرین بلکہ خود عرب علما آپ کی فصاحت وبلاغت اور زبان دانی کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

شیخ علی بن حسین مالکی مدرس مسجد حرام مکہ نے آپ کی شان میں یوں خراج عقیدت پیش کیا:

ذَاخبر ۃِ مَوْ لَی المعارف والھدیٰ
رَبَّ البلا غۃِمَنْ بِۃِالد نیا ز ھَتُ
اُبْد ی مَعَا نی المشکلا تِ بیَا نہ
ببِد یعِ مَنْطِقِۃِ الجو اھرُ نظَّمَتُ

(ترجمہ: وہ تجربہ کار اور صاحب معارفِ ہدایت ہیں، ایسے بلیغ جس پر دنیا ناز کرے، اس کے بیان نے مشکل معانی کو واضح کر دیا، اس کے اچھوتے بیان سے موتیوں کو پرویا گیا ہے)

ڈاکٹر حازم محفوظ استاذ جامعہ ازہر کہتے ہیں:

عند ما نطالع مؤ لفا تہ النشر یۃ التی کتبھا و کتب أغلبھا. با للغۃ العر بیۃ نتحیر من تمکنہ التام من اللغۃ العر بیۃ و آدابھا. ومما ید عوإلی التا مل أنّ ھذا الا ما م تعلم اللغۃ العر بیۃ وأجا دھاإجا دۃ تا مۃ ....أما عن النثر العر بی فقد بلغ أسلوبہ فیہ قمۃ الفصا حۃ والبلا غۃ.

(محمد أحمد رضا خان والعالم العربی، ص: ۳۰، ۳۱)

(جب ہم امام احمد رضا کی ان کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو آپ نے عربی زبان میں لکھی ہیں تو عربی زبان وادب میں ان کی مہارت اور کمال قدرت کو دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتے ہیں ....قابل غور پہلو یہ ہے کہ انہوں نے عربی زبان سیکھی، اور اسے خوب سے خوب تر کیا...... اور عربی نثر میں تو آپ کا اسلوب و پیرایۂ بیان فصاحت وبلاغت کی بلندیوں تک پہنچا ہوا ہے)

عربی شاعری:

امام احمد رضا نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں پُر مغز، بیش قیمت اور شاندار اشعار کہے ہیں، ان کی شاعری وارداتِ قلبی کا بیان ہوتی ہے۔ انہیں شاعری پر پورا پورا قابو حاصل ہے، اس لیے ان کی زبان میں مفہوم ادا کرنے کے لیے بہت زیادہ وسعت ہے۔ عربی زبان سے انہیں فطری مناسبت ہے۔ ان کی نظم ونثر کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت واقعیہ کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں کرتا۔

حضرت شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ گیارہ سال سے زیادہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دارالافتاء میں خدمت اِفتا سرانجام دیتے رہے اور حضرت مفتی اعظم ہند ان پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے، آپ کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ:

''قلبِ فقیر میں علمی مضامین کی آمد اوّلاً عربی زبان میں ہوتی ہے، مجھے دوسری زبان میں بیان کرنے کے لیے نقل وترجمہ کی ضرورت پڑتی ہے''۔

امام احمد رضا کی تحریروں کو دیکھنے سے اس بات کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے۔ عربی تو جانے دیجیے خود ان کی اردو میں عربیت کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا نظر آتا ہے۔ عربی الفاظ کا کثرت سے استعمال، بلکہ بہت سے اردو جملوں کا انداز ترتیب بھی عربی جیسا ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں بچپن ہی سے دینی وعلمی ماحول ملا تھا، داداجان حضرت مولانا رضا علی خان بریلوی اور والد گرامی حضرت رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، گھریلو ماحول کے علاوہ طبعی میدان اور خداداد قابلیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور انہیں وجوہ کی بنا پر عربی زبان سے مناسبت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں زبان پر اتنی دسترس اور اس قدر عبور ملتا ہے کہ جہاں جس مضمون کو جس طرح عربی میں ادا کرنا چاہا ہے اسے بے تکلف ادا کر دیا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ کہ آپ کی عربی، آپ کی اردو سے کہیں فائق نظر آتی ہے۔ آپ کے عربی اشعار کا مطالعہ کرنے کے بعد عربی ادبا اور ریسرچ اسکالر عربی شعر وادب میں آپ کی مہارت اور اصنافِ سخن میں آپ کی گہرائی و گیرائی کو دیکھ کر محوِ حیرت ہیں۔

ڈاکٹر حازم محمد محفوظ استاذ جامعہ ازہر مصر لکھتے ہیں:

إنّ ھذاالدیوان قد جعل الامام فی طلیعۃ شعراء العر بیۃ الأعلام فی شبہ القارۃ بل أما لا تکو ن مبا لغین إذا قلنا: إنّ ھذا الا مام یُعدّفی جملۃ أکا بر شعر اء العر بیہ فی العصر الحدیث و بمطا لعۃ ھذاالدیوان العربی "بسا

تين الغفران''نتيقن من أسلوبه ولغته العذبة، أن نا ظمه لا بدّ أن يكون عربي اللسان والبيان، بيد أننا عند ما نطالع أغراضه وموضوعاته التي تصور المجتمع الهندي في عصره نقول: إن نا ظمه من تلك البيئة، ونتساءل أين و كيف و متى تعلم وأجاد واطلع على اللغة العربية .

(اس دیوان نے امام احمد رضا کو برصغیر کے بلند پایہ شعرا میں سر فہرست کر دیا ہے بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ امام احمد رضا، دورِ جدید میں عربی زبان کے اکابر شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں ۔اور اس عربی دیوان ''بساتین الغفران'' کے مطالعہ کے بعد اس کے اسلوب اور زبان کی حلاوت سے ہمیں اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس کو نظم کرنے والا زبان و بیان کے اعتبار سے ضرور عربی ہی ہے۔لیکن جب ہم اس کے (شعری) اغراض و مقاصد اور ان موضوعات کو دیکھتے ہیں جو ان کے عہد کے ہندوستانی معاشرہ کی تصویر پیش کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اسے نظم کرنے والا اسی ماحول سے تعلق رکھتا ہے، اور ہم سوال کرتے ہیں کہ اس نے کہاں ، کیسے اور کب عربی سیکھی اور اس میں عمدگی اور بہتری پیدا کی)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی شاعری میں تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔ان کے یہاں نعت رسول بھی ہے، حمد ومناجاۃ بھی ہے، مدح وہجو بھی ہے اور پاکیزہ غزل بھی۔انہوں نے اپنی شاعری میں خلاف واقع تشبیہات واستعارات اور جھوٹے مبالغے سے پرہیز کیا ہے

عربی دیوان (بساتین الغفران)

امام احمد رضا کے عربی اشعار کی جمع وتدوین اور ترتیب کا کام آپ کی حیات میں نہ ہو سکا تھا، بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی سالہا سال تک یہ کام کسی مرد مجاہد کے عزم واستقلال اور محنت وکاوش کا انتظار کرتا رہا۔اس دوران ریسرچ اسکالرس نے آپ کی حیات و خدمات کے عنوان پر ایم ،اے اور پی ،ایچ ،ڈی بھی کی اور گرامی قدر علمی مقالے سپرد قلم کیے لیکن کسی نے آپ کے منتشر عربی اشعار کو جمع وترتیب کے مراحل سے گزار کر ارباب علم ودانش کے سامنے پیش کرنے کی ہمت نہ کی۔ بالآخر جامعہ ازہر مصر کے استاذ ڈاکٹر حازم محمد احمد عبد الرحیم محفوظ پاکستان آئے اور انہیں اس کا کی اہمیت کا احساس ہوا، اور انہوں نے کمر ہمت کس لی، اور محقق عصر علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری دام ظلہ، سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور اور دیگر اہل علم کے تعاون سے یہ کام تکمیل آشنا ہوا اور آپ کے اردو دیوان ''حدایق بخشش'' کو سامنے رکھتے ہوئے اس عربی شعری مجموعہ کا نام ''بساتین الغفران'' رکھا۔ یہ مجموعہ پہلی بار ۱۹۹۷ء میں طباعت کے مرحلے سے گزرا، اس کی طباعت و اشاعت رضا اکیڈمی برطانیہ، رضا دار الاشاعت لاہور، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے زیر اہتمام ہوئی ۔ اس مجموعہ میں سات سو پچانوے اشعار اور ننانوے شعری تاریخیں ہیں۔خیال رہے کہ حضرت امام احمد کے عربی اشعار کل اتنے ہی نہیں ہیں۔ یہ تو ان اشعار کی مجموعی تعداد ہے جو اس جمع وتدوین کے وقت جامع کو حاصل ہوئے تھے۔

آپ کے اس عربی شعری مجموعہ میں عربی زبان پر کامل دسترس اور بھر پور قدرت کا عنصر ایک نا قابل انکار حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ اب ذیل میں آپ کے عربی اشعار کے کچھ نمونے کچھ ضروری تفصیلات کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

قصیدتان رائعتان

یہ دو عربی قصیدوں کا مجموعہ ہے ایک قصیدۂ نونیہ، جس کا اصل تاریخی نام ''مدائح فضل الرسول'' ہے اس قصیدہ میں کل دوسو تینتالیس اشعار ہیں، اور دوسرا قصیدۂ دالیہ، جس کا تاریخی نام ''حمائد فضل الرسول'' ہے اس کے اشعار ستر ہیں اور دونوں کی مجموعی تعداد اہل بدر کے عدد کے مطابق تین سو تیرہ (۳۱۳) ہے۔ یہ دونوں قصیدے تاج الفحول علامہ عبد القادری بدایونی علیہ الرحمہ کے پوتے حضرت مولانا شاہ عبد الحمید سالم القادری سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے پاس بخط شاعر (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ) موجود ہیں۔ ۵ر صفر ۱۴۰۹ھ کو دار العلوم قادریہ بدایوں میں خواجۂ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی مدظلہ کے ہمراہ استاذی الکریم عمدۃ المحققین صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی ملاقات

حضرت سالم میاں صاحب سے ہوئی، اسی موقع پر انہوں نے یہ دونوں قصیدے حضرت صدر العلماء کو دکھائے اور آپ کی طلب پر بغیر کسی ٹال مٹول کے ان کی فوٹو کاپی دینے کے لیے رضا مند ہو گئے۔ حضرت مولانا قاضی شہید عالم صاحب نے ان دونوں قصیدوں کی بہترین فوٹو کاپی کرا کے جلد ہی حضرت صدر العلماء کے پاس مبارک پور بھیج دی۔ اور اس طرح المجمع الاسلامی مبارک پور کے زیر اہتمام یہ دونوں قصیدے ۱۹۸۸ء میں "قصیدتان رائعتان" کے نام سے شائع ہو کر اہل علم کی نگاہوں کی زینت بنے۔ یہ دونو قصیدے سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح میں لکھے ہیں۔ راقم سطور (نفیس احمد مصباحی) اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی اور مولانا نظام الدین مصباحی کی کوششوں سے یہ دونوں قصیدے دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ضلع بستی، یو، پی، نے جماعت خامسہ کے عربی ادب کے نصاب میں شامل کر لیے ہیں۔ دار العلوم علیمیہ کے زمانہ تدریس میں دو سال تک یہ قصیدے میرے ہی زیر تدریس رہے اور اسی دوران میں نے ان کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا اور کچھ حل لغات اور محاسن بلاغت کی تعیین بھی کر لی۔

قصیدہ "مدائح فضل الرسول"

ان میں پہلا قصیدہ "مدائح فضل الرسول" باتشبیب قصیدہ ہے عموماً باتشبیب قصیدہ کے چار جُز ہوتے ہیں۔

(۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح یا ہجو (۴) خاتمہ

(۱) تشبیب: عربی شعر وادب میں عشقیہ شاعری کو کہتے ہیں، خواہ وہ مدحیہ قصیدہ کی تمہید کے طور پر ہو یا پوری نظم کا موضوع ہو۔ فارسی میں جب غزل ایک صنف سخن کی حیثیت سے وجود میں آئی تو تشبیب صرف قصیدہ کی عشقیہ تمہید کا نام رہ گیا، بعد میں ہر قسم کی تمہید کو تشبیب کہا جانے لگا۔

(۲) گریز یا تشبیب: قصیدہ کا دوسرا جز گریز ہے، اس کو عربی میں خروج، توسل اور تخلص کہتے ہیں اس کی تعریف ابن رشیق نے یوں کی ہے:

الخروج: انما هو ان تخرج من نسيب إلى مدح او غيره بلطف تحيل (العمدہ، ۱/۱۵۶) (تشبیب سے مدح یا دوسرے موضوع کی طرف بہترین حیلے سے نکل جانے کا نام گریز ہے)

(۳) **مدح یا ہجو**: یہ قصیدہ کا تیسرا اور سب سے بنیادی جز ہے۔ قصیدہ کا مرکزی مضمون اسی میں ہوتا ہے، یہ جز شعرا کی توجہ کا مرکز اور فنی مہارت کی امتحان گاہ ہوتا ہے۔

(۴) **خاتمہ**: یہ قصیدہ کی آخری منزل خاتمہ ہے، اسے مقطع اور دعائیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اگر قصیدہ کا خاتمہ اچھا ہے تو قصیدہ اچھا مانا جاتا ہے، ورنہ بُرا۔ ابن رشیق قیروانی نے اپنی کتاب "العمدہ" میں متنبی کو ان تینوں میں تمام شعرا سے فائق تسلیم کیا ہے۔ خیال رہے کہ عربی، فارسی اور اردو کسی بھی زبان کے قصیدوں میں ان اجزائے ترکیبی کی پابندی لازم نہیں ہوتی۔ مدحیہ قصیدوں میں تو یہ اجزا اکثر کام میں لائے گئے ہیں لیکن دوسرے موضوعات کے قصیدوں میں ان کا چنداں خیال نہیں رکھا جاتا۔

قصیدہ "**مدائح فضل الرسول**" میں مندرجہ بالا چاروں جز (تشبیب، گریز، مدح اور خاتمہ) پائے جاتے ہیں۔

(۱) **تشبیب آغاز**:

رَنَّ الحَمَامُ عَلٰى شُجُونِ الْبَانِ
يَا ما اُمَيْلِحَ ذِكرَ بِيُضِ الْبانِ

سے ہو کر چوتیسویں شعر:

لیلٌ إذا أر خیٰ ستاً رَ ظَلامِه
رفع السّتا رة عن نجوم معانٍ

پر اس کا اختتام ہو جاتا ہے قصائد کے آغاز میں تشبیب لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اصل مضمون کو بیان کرنے کے لیے محبوب اور اس سے نسبت و تعلق رکھنے والی اشیا، اسے یاد دلانے والے مقامات کا تذکرہ کیا جائے تاکہ قارئین اور سامعین دونوں کی آتش شوق تیز ہو، خوابیدہ جذبات و احساسات بیدار ہوں، اور جس وقت اصل مضمون پر آئیں اس وقت قاری کے بیان کا جوش اور سامع کے سماعت کا اشتیاق، نقطۂ

عروج اور ذروۂ کمال تک پہنچ چکا ہو۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ تشبیب کا مضمون عام طور سے قصیدہ کے ایک تہائی یا نصف پر حاوی ہوتا ہے، مگر کامیاب شاعر وہ ہوتا ہے جو اس مضمون کو اتنا طول نہ دے بلکہ چند اشعار ہی میں ایسے اچھوتے، پُرکشش اور سحر انگیز مضامین لائے جن سے سامعین کے ذہن ودماغ کے تار جھنجھنا اٹھیں، دل کی تشنگی اپنے شباب پر آجائے، اور قلب وجگر پورے شوق ورغبت کے ساتھ اصل مضمون کی طرف متوجہ ہو جائے اور قاری ان اشعار کو پڑھ کر اور سامع انہیں سن کر پھڑک اٹھے اور بے ساختہ دل کی گہرائیوں سے شاعر کے لیے داد وتحسین کے جذبات یا جملے نکل پڑیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی تشبیب اس معیار پر پوری اترتی ہے اور ان کی شاعرانہ مہارت، اور فنی عظمت وجلالت کو بے نقاب کرتی نظر آتی ہے۔ اس کا مشاہدہ خود میں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب میں لکھنؤ میں قیام پذیر تھا، ایک دن میری ملاقات دارالعلوم ندوہ کے دو اساتذہ سے ہوئی جو شعبۂ عربی ادب کے بلند پایہ استاذ مانے جاتے تھے ان میں سے ایک کا تعلق دیوبندی جماعت سے تھا جب کہ دوسرے صاحب جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے اتفاقاً اس وقت میرے ہاتھ میں ''قصید تان رائعتا ن'' کا ایک نسخہ تھا، اول الذکر نے یہ کتاب مجھ سے لے کر دیکھنا شروع کی۔ اس کے آغاز میں عمدۃ المحققین صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا عربی زبان میں لکھا ہوا ایک گراں قدر اور وقیع مقدمہ ہے اس کو جستہ جستہ پڑھتے ہوئے جب تشبیب کے پہلے شعر تک ان کی رسائی ہوئی جو درج ذیل ہے:

رَنَّ الحَمَامُ عَلی شُجُو نِ البا نِ
یَا مَا اُمَیْلِحَ ذِکْرَ بِیْضِ البَا نِ

تو ان پر ایک طرح سے بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بے ساختہ زبان سے تعریف وتحسین کا کلمات نکل پڑے کہ واہ واہ کیا خوب کہا ہے، پھر تین چار بار اس شعر کو دہرایا اور ہر بار تعریف وتحسین کے کلمات کا اعادہ بھی کیا، اور اس کے بعد جب تشبیب کے اشعار پڑھنے شروع کیے تو درج ذیل اشعار تک اسی سرمستی کے عالم میں پڑھتے چلے گئے:

یَا حُسنَ غُصنٍ فِیهِ مِن کُلِ الُجَنیٰ
عِنَبٌ وَعُنَّاب بِه سُلُوَ انِی
واللُّوُ زُ فِیهِ الفو زُ والتُّفَّاح وال
رُ طَبُ ولا تَسئَلُ عَنِ الر مَّا نِ

ترجمہ: ''واہ رے اس شاخ کا حسن وجمال جس میں ہر قسم کا پھل موجود ہے، اس مین انگور بھی ہے جس میں میری کامیابی ہے اور سیب اور تر وتازہ پختہ کھجوریں بھی اور انار کی تو بات ہی نہ پوچھو''۔

اور پھر پوری کتاب کا سرسری مطالعہ کیا اور اس دوران کلماتِ تحسین بھی زبان سے نکلتے رہے اخیر میں انہوں نے اپنے رفیق اہل حدیث فاضل سے کہا کہ ''مختلف علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان و ادب میں بھی مولانا احمد رضا بریلوی کی مہارت کی بات اب تک صرف سنتے تھے لیکن آج ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں بلا جھجھک کہتا ہوں کہ اگر شاعر کا نام بتائے بغیر یہ قصیدہ عربی زبان وادب کے کسی شناور اور شعری ذوق رکھنے والے فاضل کے سامنے پیش کر دیا جائے تو وہ اسے پڑھنے، لفظی ومعنوی خوبیوں کو دیکھنے اور اس دل کش اسلوب بیاں اور طرز تعبیر سے محظوظ ہونے کے بعد بلا جھجھک یہ کہہ اٹھے گا کہ یہ عہد اموی یا عباسی کے کسی باکمال شاعر کا کلام ہے''۔ اس پر اہل حدیث فاضل نے کہا: کہ ''مولانا کے مخصوص نظریات کو چھوڑ کر عربی زبان وادب اور دیگر علوم وفنون میں مولانا کی برتری ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں''۔ ان دونوں فضلا کی گفتگو سننے کے بعد میں نے دل میں کہا:

الفضل ما شهد ت به الا عداء

(کمال فضل وہ ہے کہ دشمن بھی اس کی گواہی دیں۔)

اس کے بعد دیوبندی فاضل نے مجھ سے کہا: مولانا! آپ مجھے ان دونوں قصیدوں کی فوٹو کاپی دے دیجئے میں نے کہا کہ میں کوشش

کرتا ہوں کہ آپ کو فوٹو کاپی کی بجائے اصل کتاب ہی دے دوں۔ پھر اسی دن میں نے استاذی الکریم مرجع عُلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، بانی ورکن المجمع الاسلامی وصدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی بارگاہ میں اس واقعہ کو لکھ بھیجا اور حضرت سے چند عدد ''قصیدتان رائعتان'' بھیجنے کی درخواست بھی کی، آپ نے کرم فرمایا اور المجمع الاسلامی کی جانب سے پانچ عدد کتابیں میرے پاس بھیج دیں، میں نے وہ کتابیں ان دونوں ندوی اساتذہ کے پاس بھجوادیں اور وہاں کی لائبریری اور دارالمطالعہ میں بھی دے دیں۔

اس واقعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے عربی اشعار حسن ودل کشی کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں جنہیں پڑھنے اور سننے کے بعد اپنے تو اپنے ہیں، پرائے بھی بے اختیار ہوکر ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

بہر حال اس قصیدہ کی تشبیب میں چونتیس شعر ہیں، پھر چار شعر گریز کے ہیں، اس کے بعد چالیسویں (۴۰) شعر سے اپنے ممدوح علامہ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح شروع کی ہے، درمیان میں شعر نمبر ۱۳۱ تا ۱۴۴، چودہ اشعار تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کی مدح وستائش میں ہیں۔

اور اس قصیدہ کا اختتام درج ذیل اشعار پر ہوتا ہے۔

وَ اَدِمْ شآ بیب الرضا و نَدی العطا
لجمیع اهل الدین والا ذعا ن

(تمام برادران دینی ویقینی کو اپنی رضا وخوشنودی کے چھینٹوں اور جودوعطا کی بارش سے ہمیشہ بہرہ ور کر)

شَرّ فْتنا با لحقّ فَا نْصُرْ نا علیٰ
بِدَ ع الْعُنُودِوَ نِزْ غةِ الْمُجّا نِ

(تو نے ہمیں حق سے مشرف کیا تو ان معاندین کے افکار نو اور ان گستاخوں کے فتنہ وفساد پر ہمیں فتح وکامرانی عطا فرما)

حَتّی نکُو نَ حُمَا ة دینٍ قیّمٍ
و مُحَاة شرّ الزَّ یْغ و البُطلا ن

(تا کہ ہم دین حق کے محافظ اور گمرہی وباطل پرستی کے مٹانے والے رہیں)

فَلک الثَّناءُ ببدْ ئه و ثَنا ئه
وَ لَکَ الْمَد یحُ بِا وَّلٍ وَّ بِشا نٍ

(تو ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، اس کے آغاز میں اور انجام میں)

وصَلَاةُ رَبِّیْ دَائماً ابداً اعلی
خَیرِ البریَّة سَیدِ الا کوانٖ
والآ لِ وَالا صحا ب ولا حْباب وال
نُواب والأ صهار و الأ ختا نٖ

(اور ہمیشہ میرے رب کی رحمتیں افضل الخلق، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب، ان کے خلفا اور خسروں (حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دامادوں حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) پر نازل ہوں)

صَلّی المجیدُ علی الرسول و فضله
ومُحبّه و مُطیعه بحَنانٖ

(خدائے بزرگ وبرتر، رسول ﷺ، فضل رسول، محب رسول اور مطیع رسول پر بخشش ونوازش کے ساتھ رحمتیں نازل کرے)

صَلّی علیک اللّه یاملک الوریٰ
مَا غرَّ ذَالقُمریُّ فی الأ فنانٖ

(اے ساری مخلوق کے بادشاہ! اللہ آپ پر اس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے جب قمری شاخوں پر نغمہ سنجی کرے)

صَلیَّ علیک الله یا فرْ د العُلی
مَا أطر ب الْوَ ر قا ءُ با لإ لحا نٖ

(اے بے مثال بلندی والے! اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک رحمتیں نازل کرتا رہے جب تک فاختہ اپنی خوش آوازی سے لوگوں کو

مست و بے خود کرے)

صَلّیٰ عَلَیْکَ اللہ یَا مَوْ لا یَ مَا
رَنَّ الحَمَا مُ علی شُجُو ن الْبان

(اے میرے آقا! اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ پر رحمت برسائے جب، تک کبوتر، بان کی شاخوں پر فریاد کرے)

قصیدہ ''حما ئد فضل الر سول''

اس قصیدہ میں ستر اشعار ہیں، اور یہ قصیدہ ''غیر مشبَّب'' ہے یعنی اس کا آغاز تشبیب سے نہیں بلکہ حمد وصلوۃ سے ہے۔ ذیل میں اس کے کچھ ابتدائی اشعار پیش خدمت ہیں۔ غور کیجیے کہ حضرت امام نے اس مختصری بحر میں کس طرح اپنی مہارت اور قادری الکلامی کا ثبوت پیش کیا ہے کہ نہ مفہوم کی ترسیل اور معنی کی تعبیر میں کوئی خلل واقع ہورہا ہے اور نہ اشعار کی سلاست وروانی متاثر ہوتی نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱ الحمدُ لِلمُتوَ حّدِ — بِجَلا لِه المُتفرَّ دِ
۲ وَصَلاۃمَوْ لانا علیٰ — خیرِ الانَام مُحَمّدِ
۳ والآل اَمطارِ النَّدیٰ — وَالصَّحْب سُحب عَوائدِ
۴ لاھُمَّ قدْ ھجَمَ العِدیٰ — مِنْ کُلِّ شأ وٍ أبعَدِ
۵ فی خَیلِھِمْ وَرجالِھِمِ — معَ کُلِّ عا دٍمُعْتدِ
۶ ھاوینَ زَلَّۃَمُثْبتٍ — بَا غِینَ ذِ لَّۃَ مُھتدِ
۷ لکن عَبدَکَ آمنٌ — اِذمَنْ دَعاکَ یُوَیَّدِ
۸ لااَختَشِی مَنْ باسِہِم — یَدُنَا صِریٰ اَقْوَیٰ یَدِ
۹ یَا رَبَّ یَارَبَّاہ یا — کَنْزَ الفقیر الفا قدِ
۱۰ بکَ اَلتجیْ بِکَ أدفع — فِی نحرِ کُلِّ مُھدِّدِ
۱۱ اَنتَ القَوِیُّ فَقَوَّ نِی — اَ نتَ القَدِیرُ فَایِّدِ
۱۲ فالی العظیم تَوَ سُّلی — بِکِتا بہ وَبِأَحْمدِ
۱۳ وَبِمَنْ اَتیٰ بَکلامِہِ — وَ بِمَنْ ھَد یٰ و بِمن ھُدی
۱۴ وَبِطَیْبَۃَ وَ بِمَنْ حَوَ تْ — وَبِمِنْبرٍ وَّ بِمَسْجدِ
۱۵ وَبِکلِّ مَنْ وجدَالرِّضیٰ — مِنْ عِندِربٍّ وَّاحِدِ

ترجمہ:

۱۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو اپنے منفرد جلال کے ساتھ یکتا ہے۔

۲۔۳۔ مولا تبارک وتعالیٰ کی رحمت خیرالانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو، اور آپ کی آل پر جو بارش جود وعطا ہیں، اور آپ کے اصحاب پر جو فوائد ومنافع کے بادل ہیں۔

۴۔۵۔ اے اللہ! دشمنوں نے دور دراز مقام سے اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ ہر حد سے تجاوز کرنے والے ظالم کے ہمراہ مجھ پر یورش کردی ہے۔

۶۔ وہ ثابت قدم انسان کی لغزش کے خواہاں اور ہدایت یافتہ شخص کی ذلت کے طلب گار ہیں۔

۷۔ لیکن تیرا بندہ بے خوف ہے، کیوں کہ جو تجھے پکارتا ہے وہ تائید پاتا ہے۔

۸۔ میں ان کی طاقت وقوت سے خوف زدہ نہیں۔ کیوں کہ میرے مددگار کا دست قدرت سب سے طاقت ور اور باقوت ہے۔

۹۔ اے میرے پروردگار! پالن ہار! اور اے بے سروسامان بے مایہ کے خزانہ!

۱۰۔ میں تیری پناہ لیتا ہوں اور ہر دھمکی دینے والے کے سینے میں تیری مدد سے دھکا مارتا ہوں۔

۱۱۔ تو قوت والا ہے تو ہمیں قوت دے، اور تو قدرت والا ہے تو ہمیں طاقت بہم پہنچا۔

۱۲۔۱۵۔ تو خدائے بزرگ وبرتر کی بارگاہ میں اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے کلام کو لانے والے (حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام) نبی ہادی اور ان کے ہدایت یافتہ اصحاب، مدینہ طیبہ اور اس کی آغوش میں آرام فرمانے والے نفوس قدسیہ، منبر رسول اور مسجد نبوی اور ہر اس ذات کو وسیلہ بناتا ہوں جس نے خدائے بے نیاز کی طرف سے رضا وخوشنودی کی دولت پالی۔